اسلامی زکوٰۃ ـــ انفرادی یا اجتماعی

ـــــــ مولانا سلطان احمد اصلاحی

اسلامی اجتماعیات کے مسائل میں، خاص طور پر موجودہ حالات کے پس منظر میں، ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل مسئلہ زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم کے مطلوبہ نظام کا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تر زکوٰۃ کا اجتماعی طریقے پر وصول کیا جانا ضروری ہے یا جیسا کہ اموال ظاہرہ، غلہ، مویشی وغیرہ اور اموال باطنہ' سونا چاندی و دیگر، کے حوالہ سے کہا گیا ہے زکوٰۃ کی اجتماعی وصولیابی اور تقسیم کے ساتھ اس کے کچھ حصے کی انفرادی تقسیم کی بھی گنجائش ہے؟۔ اس کے سلسلے میں قرآن و سنت کے دلائل کا کیا رخ ہے، عہد صحابہؓ و سلف صالح سے اس کی بابت کیا رہنمائی ملتی ہے۔ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے اس خصوص میں کیا خیالات ہیں اور اپنی آراء کے حق میں ان کے کیا دلائل ہیں۔ ان سب کے جائزے اور تجزیہ و تحلیل کی روشنی میں اقلیت اور اکثریت اور حاکم اور محکوم مسلمان معاشرے کی وسیع و عریض دنیا میں وصولیابی و تقسیم زکوٰۃ کا مطلوبہ نظام کون سا ہے۔ جس کی پیروی اور جس پر مخلصانہ عمل درآمد سے مسلمان معاشرہ معاشی فلاح کے اپنے دنیوی مقصود کے ساتھ آخرت کی ابدی کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتا اور مولیٰ کریم کے دربار میں عزت افزائی کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔

اسلامی تحریکات اور اسلامی اجتماعیات کے احیاء کے موجودہ دور میں چونکہ زیادہ زور بیت المال کے قیام اور زکوٰۃ کی اجتماعی وصولیابی اور اجتماعی تقسیم پر ہے، کتاب و سنت سے پہلے اس کے دلائل پیش کیے جائیں گے اور حسب ضرورت سلف صالح کے اقوال و آراء سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

اجتماعی زکوٰۃ کے دلائل

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی عبادات چہارگانہ میں اجتماعیت کی شان جلوہ گر ہے۔ نماز، روزہ اور حج کے تین ارکان کے مانند زکوٰۃ کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ کتاب اللہ

نے زکوٰۃ کا حکم دیا تو ساتھ ہی اسے اجتماعی طور پر وصول کیے جانے کی تاکید کی جس سے خود بخود اس کی اجتماعی تقسیم کا اشارہ نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن زکوٰۃ کے مصارف میں فقراء و مساکین کے بعد تیسرے نمبر پر زکوٰۃ کی اجتماعی وصولی و تقسیم کے کارندوں 'عاملین' کو قرار دیتا ہے۔ تاکہ یہ ادارہ زیادہ سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہو اور اپنی مناسب کارکردگی کے لیے مالیات کا مسئلہ اس کے سامنے کھڑا نہ ہو۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا الخ (توبہ: ۶۰)	(فرض) صدقہ و زکوٰۃ صرف فقراء و مساکین اور اس کی تحصیل وصول کے کارندوں کے لیے ہے۔

وہ حدیث گویا اس کی شرح ہے جس میں محکمۂ زکوٰۃ کا وظیفہ ہی یہ قرار دیا گیا ہے کہ امیروں سے لے کر اسے غریبوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنائے جانے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے لیے ہدایات میں زکوٰۃ کے حوالہ سے اسی نکتے کی تاکید تھی کہ:

فان ھم اطاعوا لذالک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم وترد فی فقرائھم[۳]	تو اگر وہ (نماز کے) اس معاملے میں تمہاری بات مان لیں تو تم انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اوپر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں میں لوٹائی جائے گی۔

یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہوا۔ دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ دارقطنی میں حضرت ابوجحیفہؓ اپنے قبیلے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قدم علینا مصدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ الصدقۃ من اغنیائنا فردھا فی فقرائنا[۴]	ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وصول لینے والے آئے تو انھوں نے ہمارے امیر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی اور ہمارے غریب لوگوں میں اسے لوٹا دیا۔

اسی موقع پر راوی اپنے متعلق فرماتے ہیں:

وکنت غلاما یتیما فاعطانی	اور میں (اس وقت) ایک یتیم بچہ تھا

منہا قلوصا [1] — تو اس عامل صدقہ نے مجھ کو زکوٰۃ کے اس مال سے ایک جوان اونٹنی دی۔

یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کی اس آیت کریمہ پر عمل تھا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (توبہ : ۱۰۳)

(اے نبیؐ) آپ مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ وصول کیجئے جس سے کہ ان کی دل کی پاکی کا سامان اوران کے نفس کا تزکیہ ہو اوران کے اوپر اپنی دعائیں بھیجئے کہ آپ کی دعا ان کے لیے طمانینت کا باعث ہوتی ہے۔

دوسرے ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں اجتماعی زکوٰۃ کا یہ نظام کافی وسیع ہو چکا تھا یہاں تک کہ بسا اوقات بعض محصّلین کی بے احتیاطی سے اس کے سلسلے میں لوگوں کے یہاں کچھ شکایتوں کا بھی موقع ہو جاتا تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ابوداؤد کی روایت ہے کہ دور دراز علاقے سے کچھ بدو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محصلین زکوٰۃ کی زیادتی کا شکوہ کیا:

آن ناسا من المصدقین یاتونا فیظلمونا۔ — کچھ عاملین صدقہ ہمارے پاس آتے ہیں جو ہمارے ساتھ بے انصافی کرتے ہیں۔

اس شکایت کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کہی وہ اور بھی توجہ کے لائق ہے۔ اس امکانی زیادتی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو محصلین کے ساتھ خوش معاملگی کی تاکید کی:

فقال ارضوا مصدقیکم — آپؐ نے ارشاد فرمایا: اپنے پاس آنے والے عاملین صدقہ کو خوش رکھنے کی کوشش کرو

اس پر ان حضرات کا دوسرا سوال تھا:

قالوا یا رسول اللہ وان ظلمونا۔ — اس پر لوگوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! چاہے وہ

ہمارے ساتھ بے انصافی ہی کیوں نہ کریں۔

اس کے جواب میں ارشاد ہوا:

قال ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم[۵]	فرمایا: ہاں! اپنے پاس آنے والے عاملین صدقہ کو خوش رکھنے کی کوشش کرو چاہے تمہارے ساتھ بے انصافی ہی کیوں نہ ہو۔

یہ ابوداؤد کی روایت کے الفاظ ہیں۔ صحیح مسلم میں راوی صحابی حضرت جریرؓ کے اس عمل کا اضافہ ہے:

ما صدر عنی مصدق منذ سمعت ھٰذا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وھو عنی راض[۶]	جب سے میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی عامل صدقہ میرے پاس آیا ہو اور وہ مجھ سے خوش ہو کر نہ گیا ہو۔

حضرت بشیر بن خصاصیہ دوسرے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت میں بھی اس شکایت کا تذکرہ ہے جس کے سلسلے میں ان کے قبیلے کے لوگوں نے مال زکوٰۃ کے کسی حصے کو چھپا لینے کی اجازت چاہی جس سے کہ وہ محصلین کی امکانی بے انصافی سے محفوظ رہ سکیں۔

قال قلنا ان اھل الصدقة یعتدون علینا افنکتم من اموالنا بقدر ما یعتدون علینا۔	راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ عاملین صدقہ ہمارے ساتھ زیادتی کرتے ہیں تو کیا ہم اپنے مال سے اس قدر چھپا سکتے ہیں جتنی کہ وہ ہمارے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا جواب بھی ان کو نفی ہی میں ملا۔

فقال: لا[۷]	ارشاد ہوا: نہیں

دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے زمانہ میں اس سلسلے میں مزید ابتری کی پیشین گوئی بھی فرمائی لیکن ساتھ ہی وہی تاکید فرمائی کہ ان کی طرف سے امکانی زیادتیوں کے باوجود تمہاری زکوٰۃ سے انھیں خوش وخرم واپس جانا چاہیے۔

حضرت جابر بن عتیکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سیاتیکم ۔ رکب مبغضون	تمہارے پاس صدقہ کے کچھ عاملین ایسے آئیں
فاذ اجاؤکم فرحبوا	گے جنھیں تم پسند نہیں کروگے ۔ اس کے باوجود
بھم وخلوا بینھم وبین	جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انھیں
ما یبتغون فان عدلوا	خوش آمدید کہو اور کسی مزاحمت کے بغیر
فلا نفسھم وان ظلموا	وہ جیسے چاہیں زکوٰۃ انھیں وصول کرنے دو
فعلیھا وارضوھم فان	تو اگر وہ انصاف سے کام لیں تو انھیں کا فائدہ
تمام زکوتکم رضاھم	ہے اور اگر وہ بے انصافی کریں تو اس کا وبال
ولیدعوا لکم [۸]	ان کے اوپر ہے اور ان کو خوش رکھنے کی کوشش
	کرو اس لیے کہ تمہاری زکوٰۃ کی ادائیگی کی تکمیل
	یہ ہے کہ وہ تم سے خوش ہوں اور تمہارے لیے
	وہ دعا کریں ۔

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان داری اور دیانت داری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس محکمہ سے وابستہ ہونے والے اور اس خدمت کو انجام دینے والے کو مجاہد اور غازی کے ہم پلہ قرار دیا ، جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجتماعی وصولی و تقسیم زکوٰۃ کے نظام کی پسندیدگی اور مطلوبیت کا پتہ چلتا ہے ۔ جبکہ راہ خدا میں جنگ سب سے بڑی نیکی ہے جس سے کوئی کلمہ گو وابستہ ہو سکتا ہے ۔ حضرت رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

العامل علی الصدقۃ	حق اور انصاف کے ساتھ صدقہ اور زکوٰۃ
بالحق کالغازی فی سبیل	کی وصولی کرنے والا اللہ کے راستے میں
اللہ حتی یرجع الی بیتہ [۹]	جنگ کرنے والے کے مانند ہے یہاں تک
	کہ وہ (عامل صدقہ یا غازی) اپنے گھر کو لوٹ آئے ۔

انفرادی زکوٰۃ کے دلائل

اسلام میں زکوٰۃ کی اجتماعی تحصیل اور تقسیم کی مطلوبیت کے یہ دلائل ہیں ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی انفرادی ادائیگی اور حوالگی کے حق میں بھی دلائل ہیں اور اپنے باریک مضمرات

کے ساتھ ان کا وزن اور ان کی قوت بھی کچھ کم نہیں ہے جس کا سب سے نمایاں اثر اموالِ ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تقسیم اور فرق میں ظاہر ہوتا ہے۔

سب سے پہلی اصولی دلیل یہ کہ قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ساتھ ساتھ ہے[۱۰] جس سے بہت سارے پہلوؤں سے ان کی مماثلت اور مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔ نماز میں جیسی کچھ اجتماعیت کی تاکید ہے اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جماعت کی ایک نماز کو انفرادی نماز کے مقابلے میں پچیس یا ستائیس گنا زیادہ افضل اور بڑھے ہوئے ثواب کا باعث قرار دیا گیا ہے[۱۱] لیکن اس کے باوجود نماز انفرادی طور پر ادا کر دی جائے تو ادا ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ مزید یہ کہ جماعت کی تاکید صرف فرض نمازوں کے لیے ہے، عام حالات میں سنن و نوافل کا انفرادی طور پر بجائے مسجد کے اپنے گھر اور قیام گاہ پر پڑھنا ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ اس سے نفل صدقات و خیرات کی انفرادی ادائیگی و حوالگی کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں رہتا ہے، فرض صدقہ و زکوٰۃ کی انفرادی ادائیگی اور تقسیم کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔ جہاں تک چھپا کر اور اخفاء کے ساتھ صدقہ و خیرات کا سوال ہے جس کا تذکرہ قرآن میں ہے[۱۲] اور جس کا نقشہ حدیث میں اس طرح کھینچا گیا ہے:

ورجل تصدق بصدقة	اور ایک وہ شخص جو کوئی صدقہ کرے تو
فاخفاها حتى لا تعلم شماله	اسے چھپا کر کرے یہاں تک کہ اس کے
ما تنفق يمينه [۱۳]	بائیں ہاتھ کو پتہ نہ ہو کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔

صدقہ و خیرات میں اخفاء کی یہ کیفیت ان کی انفرادی ادائگی اور حوالگی کی صورت میں ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ ان اصولی اور قوی دلائل کے ساتھ اس کے حق میں دوسری بڑی عملی دلیل خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نمونے اور طرز عمل کی ہے۔ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عرب میں ارتداد کی جو لہر اٹھی اس کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے حکومت کے بیت المال میں اپنی زکوٰۃ کو جمع کرنے سے انکار کیا۔ جبکہ اس کی شدت کے مدنظر حضرت فاروق اعظمؓ جیسی مضبوط اعصاب کی مالک شخصیت کی طرف سے بھی ان کے حق میں نرم رویہ اختیار کرنے کا مشورہ آیا۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ اس کے بالمقابل چٹان بن کر سامنے آئے اور انھوں نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ اللہ کے دین میں نماز اور زکوٰۃ کا درجہ برابر ہے۔ نماز

ہی کے مانند جو شخص زکوٰۃ کا انکار کرے گا اور حکومت کے بیت المال میں اسے جمع کرنے سے بغاوت کا اظہار کرے گا میں اسے تلوار کی طاقت سے راہِ راست پر لائے بغیر دم نہ لوں گا۔ لیکن دیکھنے کی چیز ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس موقع پر بھیڑ بکری کے بچے 'عناق' کا لفظ استعمال کیا[۱۵] جس کا صاف اشارہ 'اموال ظاہرہ' کی طرف ہے۔ جس سے خود بخود یہ بات واضح ہے کہ اسلامی ریاست کے بیت المال کی دلچسپی عامۃ المسلمین کے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ سے ہوگی۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی حکومت کے بیت المال میں لازمی ادائیگی پر اسے اصرار نہ ہوگا اور عامۃ الناس کو اپنی صوابدید سے زکوٰۃ کے متعینہ مصارف میں اسے صرف کرنے کا اختیار ہوگا۔

واللہ لو منعونی عناقا کانو ایودونہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتہم علی منعہا[۱۵]	بخدا اگر یہ لوگ بکری کا ایک بچہ بھی دینے سے انکار کریں جسے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو ان کے اس انکار پر میں ان سے جنگ کیے بغیر نہ رہوں گا۔

جس سے ضمناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں وصولی زکوٰۃ کے مطلوبہ طریقے کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلامی ریاست کے بیت المال میں صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے جمع کیے جانے کی تاکید تھی۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی اس میں جمع کرنے کی کوئی سختی اور پابندی نہ تھی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کی مذکورہ بالا روایت جس میں زکوٰۃ کو امیروں سے لے کر غریبوں میں بانٹنے کا تذکرہ ہے اسی سے متصل اگلے حصے میں تاکید ہے:

فایاک وکرائم اموالہم[۱۶]	تو تم ان کے عمدہ مالوں کے لینے سے اجتناب کرو۔

اس کا بھی واضح اشارہ ہے کہ اسلامی ریاست کے محصلین کو حق اموال ظاہرہ میں وصولی زکوٰۃ کا ہوگا مسلم عوام کے اموال باطنہ کی چھان کرید اور اس کی زکوٰۃ پر اصرار کا انھیں حق نہ ہوگا۔ عام آدمیوں کے علاوہ اسلام میں اپنے رشتے کے لوگوں کے سلسلے میں صدقہ وخیرات کی جو تاکید ہے:

الصدقة علی المسکین	صدقہ وخیرات عام مسکین کی نسبت سے
صدقة وھی علی ذی الرحم	صدقہ ہے لیکن یہی رشتہ دار کے لیے ہو تو
ثنتان صدقة وصلة[۵۲]	ایک ہی وقت میں اس پر خیرات اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ہے۔

اس کا بھی تقاضا ہے کہ اجتماعی زکوٰۃ کی مسلم اہمیت ومطلوبیت کے ساتھ دین میں انفرادی زکوٰۃ کا دروازہ بند نہیں ہے۔ احادیث میں کثرت سے مذکور اس صدقہ وخیرات کو ہر حال میں نفلی صدقات وخیرات پر ہی محمول نہیں کیا جا سکتا، اموال ظاہرہ سے ہٹ کر بالخصوص اموال باطنہ کی نسبت سے فرض صدقہ وزکوٰۃ کو بھی اس میں اسی طرح شامل ہونا چاہیے۔ مزید قرب قیامت کی علامات سے کہا گیا ہے کہ اس وقت مال کی کثرت ہوگی یہاں تک کہ آدمی مستحق کی تلاش میں سرگرداں رہے گا اور اسے اس میں کامیابی نصیب نہ ہوگی:

یمشی الرجل بصدقته	آدمی اپنی خیرات لیے ڈھونڈتا پھرے گا
فلا یجد من یقبله یقول الرجل	لیکن اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اسے
لو جئت بھا بالامس لقبلتھا	قبول کر سکے۔ وہ شخص کہے گا کہ اگر اسے تم
فاما الیوم فلا حاجة لی فیھا[۵۳]	کل لے کر آئے ہوتے تو میں اسے لے لیتا، لیکن آج مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

اس مضمون کی احادیث کی عبارۃ النص سے قیامت کے قریب کے زمانہ میں مال کی فراوانی کا تو پتہ چلتا ہی ہے اس کے اشارۃ النص سے انفرادی زکوٰۃ کی ادائیگی کا جواز نکلتا ہے۔ صدقہ کا ایک حق یہ ہے کہ آدمی مستحق کی تلاش میں پھرے اور حکومت کے بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے لوگوں تک اپنے آپ اسے پہنچانے کی فکر کرے۔ صدقہ کا لفظ یہاں بھی عام ہے جس میں نفلی صدقہ وخیرات بھی یقیناً شامل ہو سکتا ہے لیکن الفاظ کا واضح رخ فرض صدقہ وخیرات کی طرف ہے، ورنہ کم سے کم یہ کہ اس کے استثناء کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تقسیم

انفرادی زکوٰۃ کے ان دلائل کے پس منظر میں بالخصوص اموال باطنہ کی نسبت سے متعلق شخص کے ذریعہ مستحقین میں زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے لچک تو پہلے سے موجود تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ

نے بھی جو مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تو وہ مویشی اموال ظاہرہ کی نسبت ہی سے تھی، سونے چاندی کی زکوٰۃ یعنی کہ اموال باطنہ سے آں جنابؓ نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔[۱۹] دوسری بات اس سے آگے کی کہی گئی ہے کہ آں جنابؓ کی جانب سے مانعین زکوٰۃ سے جنگ اس وجہ سے تھی کہ انھوں نے نفس زکوٰۃ سے ہی انکار کر دیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنی زکوٰۃ مستحقین تک اپنے طور پر پہنچا رہے تھے اور خلیفہ اولؓ کا اصرار تھا کہ اسے لازمی طور پر سرکاری بیت المال میں جمع کیا جائے۔ اس کے برعکس وہ نفس زکوٰۃ کے منکر تھے۔ جبکہ دوسری صورت میں جواز کے اختلاف کی گنجائش کے ساتھ اس پر جنگ کرنا روا نہیں ہو سکتا تھا۔[۲۰] اس لچک کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین خلفاء حضرات ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بابرکت زمانہ تک مسلمانوں کی زکوٰۃ براہِ راست یا بالواسطہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع ہوتی رہی لیکن سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب معاملات دگرگوں ہو گئے، حکومت کا استحکام برقرار نہ رہا اور امراء و ولاۃ کی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی گئی، تو اس نسبت سے امت کی رائے میں اختلاف واقع ہو گیا۔ چنانچہ کچھ لوگ اگر بدستور اپنی زکوٰۃ حکومت کے بیت المال میں جمع کرتے اور امراء و حکام کے حوالہ کرتے رہے تو دوسرے لوگ وہ رہے جنھوں نے بہ نفس نفیس مستحقین تک اسے پہنچانے اور ان کے درمیان تقسیم کرنے کو قابل ترجیح سمجھا۔ امراء و حکام کو حوالہ کرنے والوں میں سرفہرست نام حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے۔[۲۱] دوسرا نمایاں نام حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہے جو برابر اپنی زکوٰۃ حکومت وقت کو ادا کرتی رہیں۔[۲۲] دوسرے بہت سارے لوگ بھی اسی رائے کے قائل تھے۔ سہیل بن صالح کی اپنے کثیر الحدیث اور واسع الروایہ والد ابو صالح تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرات سعد بن وقاصؓ، ابوہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ:

ان هٰذا السلطان يصنع ماترون أفادفع زكاتي اليهم؟	یہ بادشاہ تو آپ حضرات دیکھ رہے ہیں کہ ان کی کیا کارستانی ہے، کیا اس کے باوجود میں اپنی زکوٰۃ انہی لوگوں کے حوالہ کروں؟

اس پر ان تمام حضرات کا جواب تھا:

قال فقالوا كلهم — راوی کا کہنا ہے کہ ان سب حضرات کا یہی
دفعها اليهم[۲۳] — کہنا تھا کہ تم اسے انہی کے حوالہ کرو۔

ان حضرات میں سب سے سخت رائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ م ۷۳ھ کی تھی جو اپنے زمانے میں امراء و ولاۃ کی تمام تر بے راہ رویوں اور فضول خرچیوں کے باوجود زکوٰۃ کو انہی کے حوالے اور حکومت کے بیت المال میں ہی جمع کرنے کے قائل تھے[۲۴] مشہور تابعی حضرت حسن بصری م ۱۱۰ھ کی بھی یہی رائے تھی۔ حضرت قتادہ تابعی م ۱۱۷ھ نے ان سے سوال کیا کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ کسے ادا کروں؟ حضرت حسن کا جواب تھا:

ادفعها الى السلطان[۲۵] — اسے بادشاہ وقت کے حوالے کرو۔

دوسری رائے کے قائلین میں ایک حضرت ابوہریرہؓ ہیں جنھوں نے ایک سائل کے جواب میں اپنی زکوٰۃ کو اس وقت کے امراء و حکام کے حوالہ نہ کرنے کو ہی پسند کیا۔[۲۶] انہی ابوہریرہؓ کا دوسرا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو اپنی زکوٰۃ حاکم وقت کے یہاں لے جاتے دیکھا تو اسے صاف لفظوں میں اس سے منع کر دیا:

قال فلا تعطهم شيئا[۲۷] — انھوں نے کہا ان لوگوں کو تم اس میں سے کچھ نہ دو۔

ابن جریج تابعی م ۱۵۰ھ کی روایت ہے کہ میں نے عطاء بن ابی رباح تابعی م ۱۱۵ھ سے اپنی زکوٰۃ کی بابت پوچھا کہ میں اسے مستحقین میں خود تقسیم کر دوں یا حکام وقت کے حوالہ کر دوں؟ اس پر انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ رائے نقل کی:

اذا وضعتها انت فى — جب تم زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں صرف
مواضعها ولم تعد منها — کرو اور اس کا کوئی حصہ اپنے زیر کفالت افراد
احد التعوله شيئا فلا بأس[۲۸] — پر خرچ نہ کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اسی موقع پر ابن جریج کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت عطاء کی زبانی یہ بات ایک سے زائد مرتبہ سنی۔[۲۹] عبید بن عمیر تابعی کی بھی یہی رائے ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ ذاتی طور پر تقسیم کر سکتا ہے، ہر حال میں اس کا امراء و حکام کے حوالہ کرنا ضروری نہیں۔[۳۰] زکوٰۃ کی بابت حسان بن ابی یحییٰ کندی کے سوال کے جواب میں حضرت سعید بن جبیر تابعی م ۹۵ھ نے مجمع کے سامنے تو اسے حکام کے حوالہ ہی کرنے کو کہا، بعد میں جب انھوں نے پیچھے لگ کر اس کی بابت

تنہائی میں معلوم کیا تو ان کا جواب تھا:

ضعها حيث امرك الله	اسے وہاں خرچ کرو جہاں اللہ نے تم کو خرچ کرنے کو کہا ہے۔

پھر معذرت میں فرمایا کہ:

سئلتنی علی رؤس الناس فلم اکن لاخبرك[۳۱]	تم نے برسر مجمع مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو اس موقع پر میرے لیے اس بات کا بتانا ممکن نہ تھا۔

دوسرے موقع پر قتادہ کے اپنے مال کی زکوٰۃ کی بابت سوال کے جواب میں حضرت سعید بن مسیب تابعی م ۹۳ھ نے بھی خاموشی اختیار کی جس کا مطلب یہی سمجھا گیا ہے کہ بنوامیہ کے والیوں کو زکوٰۃ دینے کو وہ درست نہیں سمجھتے تھے[۳۲]۔ ہشام بن حسان تابعی م ۱۴۷ھ کے جواب میں حضرت حسن بصری نے اس سلسلے میں جامع بات کہی:

ان دفعها الی السلطان اجزاءت عنه، وان لم يدفعها فليتق الله وليتوخ بها مواضعها۔ ولا يحاب بها احدا[۳۳]	اگر آدمی اپنی زکوٰۃ کو بادشاہ وقت کے حوالہ کرے تو اس سے اس کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ اس کے حوالہ نہ کرے تو اللہ سے ڈرے اور اسے اس کے مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرے اور اس کے سلسلے میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانبداری کا معاملہ نہ کرے۔

ہر حال میں بادشاہ وقت کے حوالہ کرنے کے پہلی رائے کے قائل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سلسلے میں بھی روایت ہے کہ بعد میں انھوں نے اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا تھا اور اس کے قائل ہو گئے تھے کہ:

ضعوها فی مواضعها[۳۴]	زکوٰۃ کو (اپنے طور پر) اس کے مصارف میں صرف کرو۔

چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے سلسلے میں روایت ہے کہ ان کے پاس ایک شخص اپنی زکوٰۃ لے کر آیا اس پر انھوں نے اس سے یہ دریافت کیا کہ آیا اسے حکومت

سے کوئی وظیفہ ملتا ہے یا نہیں جس کا جواب نفی میں ملنے پر انھوں نے اس کی زکوٰۃ لینے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب ہم تم کو کچھ دیتے نہیں تو تم سے لینا بھی اچھا نہیں لگتا۔

قال فانا لا ناخذ منك شيئا، لا نجمع عليك اى لا نعطيك وناخذ منك[۳۵]	فرمایا: تو ہم تم سے کچھ نہیں لیں گے۔ ہم تمہارے ساتھ دو باتیں ایک ساتھ نہیں ہونے دیں گے ہم تمہیں کچھ دیں نہیں اور تم سے لینے کو تیار ہوں۔

دوسرا واقعہ خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظمؓ کا ہے۔ کیسان نامی ایک آزاد شدہ غلام اپنے مال کی زکوٰۃ دو سو درہم لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے تو آں جناب نے اس کی اس آزادی پر خوشی کا اظہار کیا پھر فرمایا:

فاذهب بها انت فاقسمها[۳۶]	تو تم اسے لے جاؤ اور جہاں چاہے بانٹ دو۔

ان تمام آراء و اقوال کو نقل کرنے کے بعد کتاب کے مصنف ابو عبید اپنی رائے ان لفظوں میں نقل کرتے ہیں:

قال ابو عبيد، فكل هذه الآثار التى ذكرناها من دفع الصدقة الى ولاة الامر ومن تفريقها هو معمول به وذلك فى زكاة الذهب والورق خاصة اى الامرين فعله صاحبه كان موديا للفرض الذى عليه[۳۷]	ابو عبید کہتے ہیں کہ یہ تمام آثار و روایات جن کا ہم نے تذکرہ کیا، اس سے متعلق ہیں کہ صدقہ و زکوٰۃ حکام وقت کے حوالہ کی جائے یا اسے اپنے طور پر تقسیم کر دیا جائے تو ان دونوں چیزوں کی گنجائش ہے اور سلف کا ان دونوں پر عمل رہا ہے۔ لیکن یہ صرف سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے معاملے میں ہے۔ صاحب زکوٰۃ ان دونوں میں سے جس صورت پر بھی عمل کرے گا زکوٰۃ کا جو قرض اس کے اوپر ہے وہ ادا ہو جائے گا۔

آگے وہ اسی سلسلے میں مزید فرماتے ہیں جس میں وہ اموال باطنہ کے معاملے کو نماز سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس طرح نماز کے معاملے میں اہل ایمان کو امین ٹھہرایا گیا ہے جن سے

توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے بے وقت سے بے وقت اور گول نہیں ہونے دیں گے، اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے جس کے سلسلے میں بھی اہل ایمان سے اسی ایمانداری اور دیانت داری کی توقع کی جاتی ہے۔ اموال ظاہرہ غلہ، مویشی اور پھلوں وغیرہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے جن کی زکوٰۃ کی ادائیگی بیت المال میں جمع کرنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ اصل الفاظ ہیں:۔

وھذا عندنا ھو قول اھل السنۃ والعلم من اھل الحجاز، والعراق وغیرھم فی الصامت، لان المسلمین مؤتمنون علیہ کما ائتمنوا علی الصلاۃ واما المواشی والحب والثمار فلا یلیھا الا الائمۃ ولیس لربھا أن یغیبھا عنھم الخ[۳۸]	ہمارے نزدیک، حجاز، عراق اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے اہل سنت اور اہل علم کا یہی قول ہے۔ خاموش مال (اموال باطنہ) کے سلسلے میں۔ اس لیے کہ مسلمان ان کے سلسلے میں اسی طرح امانت دار ٹھہرائے گئے ہیں جس طرح کہ وہ نماز کے معاملے کے امین ہیں۔ البتہ جہاں تک (اموال ظاہرہ) مویشی، غلے اور پھلوں (وغیرہ) کا سوال ہے تو اس کے ذمہ دار ائمہ وقت ہی ہوں گے (اور ان کی زکوٰۃ انہی کے حوالے کی جائے گی) تو ان کے مالک کے لیے انھیں ان سے چھپانا درست نہ ہوگا۔

فقہاء کے مسالک

اس مرحلے پر مسئلہ زیر بحث کے سلسلے میں حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کرام کے مسالک اور ان کی آراء کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اموال ظاہرہ و باطنہ کی تقسیم کا ان کے یہاں کس درجہ اعتبار ہے اور ان کی انفرادی / اجتماعی زکوٰۃ کی کس صورت کو وہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ خیال کرتے ہیں، اس سلسلے میں جہاں تک حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا تعلق ہے وہ اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کی زکوٰۃ کو بہ نفس نفیس انفرادی طور پر ادا کرنے کے استحباب

کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اسی صورت میں آدمی کو اطمینان ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ اپنے صحیح مستحقین تک پہنچ رہی ہے۔ آگے امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ اسی طرح انفرادی طور پر نکالی جائے یہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ ہاں اگر وہ اسے بادشاہ وقت کے حوالہ کردے تو ایسا کرنا بھی جائز ہوگا اور اس صورت میں بھی متعلق شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی[۳۹] اسی سے ملتی جلتی رائے امت کے دوسرے قابل اعتماد ائمہ کی ہے۔ حضرت حسن بصری، مکحول، سعید بن جبیر اور میمون بن مہران ان سب کا کہنا ہے کہ 'صاحب مال اپنی زکوٰۃ کو ذاتی طور پر اس کی مدات میں صرف کرے گا۔ جبکہ امام ثوری کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ 'حکومت کی طرف سے اگر زکوٰۃ کا استعمال اس کے صحیح مصارف میں نہ ہو رہا ہو تو اس کے کارندوں کے روبرو آدمی غلط بیانی سے کام لے سکتا اور جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔ انھیں زکوٰۃ کسی حال میں نہیں دینی چاہیے۔ عطاء کہتے ہیں کہ' اگر وہ اسے اس کے صحیح مصارف میں صرف کریں تو زکوٰۃ انھیں دی جاسکتی ہے' جس کا یہ مطلب اپنے آپ واضح ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کر رہے ہوں تو انھیں اسے دینا بھی نہیں چاہیے۔ امام شعبی اور ابو جعفر کا بھی یہی کہنا ہے کہ حکام وقت اگر عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے سے قاصر ہوں تو آدمی کو اپنی زکوٰۃ حاجت مندوں میں خود سے تقسیم کرنی چاہیے۔ ابراہیم بھی یہی کہتے ہیں کہ زکوٰۃ اس کے مصارف میں اپنے طور پر خرچ کرنی چاہیے البتہ یہ بادشاہ وقت کے ہاتھ میں پہنچ جائے تو متعلق شخص کے لیے یہ بھی کافی ہوگا اور اسے دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ حضرت مہاجر ابوالحسن کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنی زکوٰۃ حضرت ابو وائل اور ابو بردہ کے پاس لے کر آئے اُس وقت یہ دونوں حضرات بیت المال کی ڈیوٹی پر تھے چنانچہ انھوں نے ان کی زکوٰۃ وصول کرلی۔ ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں دوسری مرتبہ اپنی زکوٰۃ لے کر آیا تو اُس وقت ابو وائل ڈیوٹی پر تنہا تھے۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ' اسے واپس لے جاؤ اور اپنی صوابدید سے اس کی جگہوں میں اسے صرف کردو'[۴۰] یہ پورا سلسلۂ بیان اموال ظاہرہ و باطنہ کی کسی تقسیم اور تفریق کے بغیر ہے جس سے واضح ہے کہ حضرت ابو وائل ان دونوں ہی طرح مالوں کی زکوٰۃ کو انفرادی طور پر ادا کرنے کی ترجیح کے قائل ہیں اور اسی طریقۂ زکوٰۃ کو وہ افضل اور اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ آخر میں حضرت امام احمدؒ سے دوسری روایت ہے کہ' زمین کی زکوٰۃ بادشاہ وقت کو ادا کی جائے یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے، البتہ اموال ظاہرہ میں مویشی جیسی چیزوں کی زکوٰۃ کو آدمی اپنے طور پر فقراء و مساکین میں تقسیم کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے'[۴۱]

دوسری رائے ان ائمہ کی ہے جو اموال ظاہرہ و باطنہ کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر تمام تر زکوٰۃ کو امام وقت کے حوالہ کرنے کے قائل ہیں۔ یہ حضرات ہیں شعبی، محمد بن علی رزین اور امام اوزاعی۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کن مستحقین کو پہنچے اور کن مصارف میں صرف ہو حکومت وقت اس کا زیادہ بہتر اندازہ کر سکتی ہے۔ مزید یہ کہ زکوٰۃ اس کے حوالہ ہو جانے سے متعلق شخص ظاہری اور باطنی ہر دو طرح سے آزاد اور بری الذمہ ہو جائے گا۔ جبکہ صاحب زکوٰۃ کا محتاج کو براہِ راست ادا کرنا باطنی طور پر اسے بری الذمہ کرنے کے لیے کافی نہ ہوگا اس لیے کہ اس صورت میں اس کا شبہہ بہرحال موجود رہتا ہے کہ وہ شخص اس کا مستحق نہ ہو اور زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف تک نہ پہنچے۔ اس کا دوسرا فائدہ تو اپنی جگہ پر ہے ہی کہ آدمی اختلاف سے باہر نکل آتا ہے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی تہمت سے اس کو نجات مل جاتی ہے۔[۴۱] بین بین رائے حضرات امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ابوعبید کی ہے جس کے مطابق اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ہر حال میں امام وقت تک پہنچنی چاہیے۔ اور وہی اس کے صرف کرنے کا مجاز ہوگا۔[۴۲] جس کا یہ مفاد اپنے آپ پر ظاہر ہے کہ اموال باطنہ کے سلسلے میں لچک ہے اور اس کی زکوٰۃ کو متعلق شخص اپنے طور پر مستحقین اور اس کے صحیح مصارف میں صرف کر سکتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ سے انفرادی اور اجتماعی دونوں مسالک کے لحاظ سے دو قول ہیں[۴۳] جس سے اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کے انفرادی اور اموال ظاہرہ کے اجتماعی اور باطنہ کے انفرادی ہر ایک کے جواز کی صورت نکلتی ہے۔ جبکہ اصحاب شافعی کے ایک قول کے مطابق امام وقت اگر عدل پرور اور انصاف پسند ہو تو مسلمانوں کی ہر طرح کی زکوٰۃ کو اس کے حوالہ کیا جانا ہی اولیٰ اور افضل ہے۔[۴۴] اسی بحث میں صاحب مغنی علامہ ابن قدامہ حنبلی جامع کے حوالہ سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی صدقۂ فطر کے سلسلے میں رائے نقل کرتے ہیں کہ اس کا بادشاہ وقت کے حوالہ کیا جانا ہی زیادہ پسندیدہ ہے۔[۴۵]

اموال ظاہرہ و باطنہ کی انفرادی و اجتماعی زکوٰۃ کے سلسلے میں ائمہ اربعہ اور اعلام امت کی یہ آراء ہیں جن سب کے دلائل کم و بیش وہی ہیں جس کی تفصیل اس سے قبل عنوان کے تحت اوپر پیش کی جا چکی ہے۔ شریعت اسلامی کے بے لاگ ترجمان علامہ ابن تیمیہ م ۷۲۸ھ بھی علی الاطلاق اپنی زکوٰۃ عام فقراء و مساکین کے علاوہ مستحق اعزہ و اقرباء کو براہِ راست ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔[۴۶] جبکہ دوسرے موقع پر ان کا کہنا ہے کہ امام وقت اگر ظالم

ہو اور زکوٰۃ کے اس کے درست مصارف میں صرف نہ کر رہا ہو تو اس صورت میں صاحب زکوٰۃ کو اپنی زکوٰۃ اسے نہ دے کر مستحقین میں براہ راست تقسیم کرنا چاہیے[۵۴]

زکوٰۃ کا مطلوبہ نظام

اس تفصیل کی روشنی میں اجتماعی نظام زکوٰۃ کی تمام تر مطلوبیت کے باوجود انفرادی زکوٰۃ کے جواز کا مسئلہ بالکل واضح ہے۔ اموال باطنہ کے سلسلے میں توامت کا زیادہ تر رجحان انفرادی زکوٰۃ کے جواز کا ہے جس کے سلسلے میں بسا اوقات اس سے آگے پسندیدگی اور افضلیت کا رخ نمایاں ہے۔ اموال ظاہرہ کے سلسلے میں البتہ رجحان اجتماعی نظام زکوٰۃ دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع کرنے کی پسندیدگی کا ہے گو کہ جواز اور زکوٰۃ کے ادا ہو جانے کی رائے اس کی انفرادی ادائگی کی صورت کے سلسلے میں بھی موجود ہے۔ اس کی روشنی میں آج کے حالات میں مسلمانوں کی زکوٰۃ کے مطلوبہ نظام کو طے کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں اجتماعیت کی جو اہمیت ہے اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان معاشرے کو زکوٰۃ کے اجتماعی نظام سے کلیۃً ہرگز ہرگز محروم نہ ہونا چاہیے۔ بالخصوص اموال باطنہ کے سلسلے میں انفرادی زکوٰۃ کی گنجائش بہر حال گنجائش ہی ہے، اس سے اجتماعی نظام زکوٰۃ کی مطلوبیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ نہ اسے کسی صورت میں اس کا بدل قرار دیا جاسکتا ہے۔ انفرادی نماز کی طرح انفرادی زکوٰۃ بھی ادا تو ہو جاتی ہے لیکن جماعت کی نماز کی طرح جو خیر و برکت زکوٰۃ کے اجتماعی نظام میں ہے زکوٰۃ کی انفرادی ادائیگی اور حوالگی کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ انفرادی زکوٰۃ کے جواز کا فائدہ اٹھا کر اس کی گنجائش یقیناً رہے لیکن مسلمان معاشرے میں ہر سطح پر اس کے اجتماعی نظام کی مطلوبیت و افادیت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کا تقاضا ہے کہ جن اکثریتی ملکوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں حکومتی سطح پر اس کا نظام مستحکم ہو اور جہاں اقلیت میں ہونے کی وجہ سے انھیں اس کی سہولت نہیں ہے وہاں عامۃ المسلمین کی رضامندی سے امامت و امارت کے نظام کے قیام کے وجوب اور ضرورت کے اصول[۵۵] ہر ہر سطح پر اس نظام کے ساتھ اجتماعی زکوٰۃ کے نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم کیا جائے۔ اسلام میں عامۃ الناس والمسلمین کے سماجی اور معاشی تحفظ کی ریاست کی جو وسیع پھیلی ہوئی ذمہ داریاں ہیں آج کے حالات میں مسلمانوں کی زکوٰۃ سے یکسر محروم ہو کر کوئی حکومت بہت

مشکل سے اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں ان کے مسائل بھی کچھ کم نہیں ہیں، زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے بغیر اس کے تقاضوں کی ادائیگی بھی بہت مشکل ہے۔ دورِ جدید کے نامراد سودی نظام مالیات کے بالمقابل اسلامی نظام مالیات کی واقعی برکتوں کا ظہور بھی زکوٰۃ کے مضبوط و مستحکم اجتماعی نظام کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ بات کہ عہد تابعین و تبع تابعین کے بالمقابل آج مسلمان امراء و حکام اور مسلمان معاشرے کی امانت و دیانت کی حالت شاید زیادہ دگرگوں ہے تو جب اُس زمانے میں اس کی کمی سے زکوٰۃ کو ان حضرات کے حوالہ نہ کرنے کو ہی زیادہ بہتر سمجھا گیا تو آج کے حالات میں اسے اور بھی زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہونا چاہیے، صحیح نہیں۔ حدیث میں اجتماعیت کے احترام میں فاسق و فاجر امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی تاکید ہے[۹] تو زکوٰۃ کے معاملے کو اس سے مختلف نہ ہونا چاہیے۔ امراء و حکام کی امانت و دیانت کی امکانی کمی کے باوجود مسلمان معاشرے کے وسیع تر مفاد میں اس کے اندر زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے۔ نماز باجماعت کی طرح فی الجملہ اس کا نظام مضبوط و مستحکم رہے تو اموال باطنہ کے حوالہ سے انفرادی زکوٰۃ کا دروازہ کھلا ہی ہوا ہے۔ اجتماعی نظام کی امکانی کمیوں کو اس کے ذریعہ سے بسہولت پورا کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک نفلی صدقات و خیرات کا سوال ہے جو مثالی اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا امتیاز اور نصوص دین کی روشنی میں ایمان کی بہت نمایاں علامت ہے، اس کی سہولت مسلمان معاشرے کو ہر حال میں میسر ہے جس کی معرفت وہ خدمت خلق اور حسن سلوک کے اپنے جذبات کی پوری تسکین کرسکتی ہے۔ پس انفرادی زکوٰۃ کی گنجائش کے ساتھ مسلم معاشرے میں ہر جگہ اور ہر سطح پر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام ہر طرح سے مطلوب و مستحسن ہے جس کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی ہونی چاہیے بالخصوص آج کے اجتماعیات کے دور میں دین رحمت کی مالیاتی برکتوں کی جلوہ نمائی اس کے بغیر کسی صورت ممکن نہیں ہوسکتی ہے۔

اجتماعی نظامِ زکوٰۃ کی لازمی احتیاطیں

البتہ اجتماعی نظام زکوٰۃ کے قیام کے ساتھ اس کے سلسلے میں کچھ لازمی احتیاطوں کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ اس نظام کے اوپر امانت کے تصور کو ہر وقت حاوی رہنا چاہیے۔ اسلامی زکوٰۃ اولین درجے میں فقراء و مساکین کا حق ہے۔ ان کے حقوق کی ان دیکھی اس نظام کے اندر ہرگز ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ زکوٰۃ کا حق ہے کہ وہ مستحق تک علی الفور پہنچے۔ اس کی روشنی میں ضوابط کے بندھن سے حاجت مندوں کی حاجت روائی میں قطعی تاخیر نہ ہونی چاہیے۔ نظام کو ایسا بنانا چاہیے کہ حاجت مندوں کی حاجت روائی وقت کے وقت ہو، ضابطہ کی کارروائیاں اس کے بعد اپنے حساب سے ہوتی رہیں۔

۲۔ اجتماعی نظام زکوٰۃ کی دوسری ضرورت یہ کہ معاشرے میں مستحقین کے پتہ لگانے کا انتہائی خفیہ، مضبوط اور مستحکم نظام قائم ہو۔ شریعت کی رو سے ہر وہ مسلمان جو صاحب نصاب نہ ہو زکوٰۃ کا مستحق ہے بشرطیکہ وہ اسے لینا پسند کرے۔ قرآن میں بھی صدقہ خیرات کے سلسلے میں ایسے مستحقین کا زیادہ خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے جو ہوں تو واقعی حد درجہ ضرورت مند لیکن اپنی غیرت مندی سے لوگوں سے چمٹ کر نہ مانگتے ہوں اور اپنی سفید پوشی کے باعث پہچاننے میں نہ آتے ہوں[۵۰] ایسا نظام وضع ہونا چاہئے کہ معاشرے کے ایسے مستحقین کا حد درجہ رازداری کے ساتھ پتہ لگایا جائے اور اسی رازداری کے ساتھ ان تک ان کے حق کو پہنچایا جائے۔ حسب موقع ہر وقت ادائگیوں کے ساتھ ضرورت کے تقاضے سے ان کے ماہانہ وظیفے زکوٰۃ کی اسی مد سے مقرر ہونے چاہیں اور اس کے نظام کو بھی افراد کی رعایت سے خفیہ اور علانیہ رکھنا چاہیے جس سے ادائگی زکوٰۃ و صدقات میں قرآن کے 'علانیۃ' کے ساتھ اس کے حکم 'سراً' کا بھی حق ادا ہو سکے[۵۱] اور حدیث نبوی میں صدقہ کی اس کیفیت کی رعایت ملحوظ رکھی جائے کہ داہنا ہاتھ اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو اس کا پتہ نہ لگ سکے[۵۲] انفرادی صدقات و زکوٰۃ کی طرح اس کے اجتماعی مطلوبہ نظام میں بھی اس کی زیادہ سے زیادہ رعایت اور لحاظ کو ہی مطابق دین اور قرین مصلحت ہونا چاہئے۔

۳۔ آخری بات یہ کہ اجتماعی نظام میں نفلی زکوٰۃ و صدقات کا معاملہ اپنی جگہ فرض زکوٰۃ و صدقات کو موجودہ حالات کی رعایت سے معتبر اجتہاد شرعی کی روشنی میں قرآن کے بیان کردہ جملہ مصارف میں صرف کیا جائے۔ اسی پس منظر میں غارمین، رقاب اور فی سبیل اللہ[۵۳] کی مدات تو خصوصی توجہ کی مستحق ہیں ہی، بالخصوص ہندوستان جیسے ملکوں

کے حالات میں مولفۃ القلوب کی مد کا بھی خاص لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے اگر مدینہ کے اندر اسلامی نظام رحمت کے مالیاتی فیض کو غیر مسلمین تک وسیع کر کے دکھایا تو آج کے مشابہ مکہ حالات کے مسلمان معاشرے میں اس فیض کے اور بھی عام اور وسیع ہونے کی ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

سلہ نماز کے لیے جماعت کی اہمیت سے اس کی اجتماعیت پسندی معلوم، روزہ اور حج میں متعین مہینے اور دنوں کی تعیین سے اجتماعیت کی شان پیدا ہوتی ہے۔ روزے کے لیے رمضان کا مہینہ اور حج کے لیے ذی الحجہ کے دن مقرر ہیں۔

سلہ۲ صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ وقول اللّٰہ تعالٰی عزوجل واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ اصح المطابع دہلی۔ صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللّٰہ ورسولہ وشرائع الدین والدعاء الیہ۔ مطبعۃ عامرہ، مصر۔

سلہ۳ جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء ان الصدقۃ توخذ من الاغنیاء فترد علی الفقراء، رشیدیہ دہلی۔ مغنی ابن قدامہ میں اس کے الفاظ قدرے مختلف ہیں، المغنی: ۶۴۶/۲، مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ۔ مصر۔

سلہ۴ ترمذی، حوالہ سابق، مغنی، حوالہ مذکور۔ قلوص جمع قلاص وقُلُص: الناقۃ الشابۃ، جوان اونٹنی، اسے اس وقت تک 'قلوص' کہتے ہیں جب تک کہ وہ 'بازل' نہ ہو جائے۔ النہایہ فی غریب الحدیث: ۲۷۳/۳، بازل وہ اونٹ/اونٹنی جو آٹھ سال پورے کر کے نویں میں داخل ہو جائے، یہی وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے دانت نکلنے شروع ہوتے ہیں۔ نہایہ: ۷۷/۱، مطبعۃ عثمانیہ، مصر ۱۳۱۱ھ۔

سلہ۵ ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب رضاء المتصدق مجیدی، کانپور۔ ابتدائے کتاب میں ملحق فہرست ابواب میں یہ 'رضا المتصدق' کے بجائے 'رضاء المصدّق' ہے۔ نیز نسائی جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب اذا جاوز فی الصدقۃ۔ مجتبائی، دہلی۔

سلہ۶ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الزکوٰۃ، باب ارضاء السعاۃ، عامرہ، مصر۔ مشکوٰۃ المصابیح میں البتہ حضرت جریر کی اس روایت کو اس اصولی حدیث کے رنگ میں پیش کیا ہے 'اذا اتاکم المصّدق فلیصدر وھو عنکم راض'، مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، فصل اول ص ۱۵۶، رشیدیہ، دہلی۔ شاید یہ صاحب مشکوٰۃ کا سہو ہو، صحیح مسلم میں جیسا کہ حوالہ گزرا یہ روایت اس انداز سے نہیں۔ ابوداؤد میں بھی حضرت جریر کا یہ اضافہ

مسلم کی طرح ذاتی عمل کے طور پر ہے، مشکوٰۃ کی مذکورہ اصولی حدیث کی صورت میں نہیں۔ ابوداؤد حوالہ سابق۔ جامع ترمذی میں البتہ اس کا انداز اصولی ہے: عن جریر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اتاکم المصدق فلا یفارقنکم الا عن رضی، ترمذی جلد ۱ ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی رضی المصدق، سنن نسائی میں البتہ اس کے الفاظ مشکوٰۃ میں مسلم کے ذکر کردہ الفاظ کے ہوبہو ہیں۔ عن الشعبی قال قال جریر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اتاکم المصدق فلیصدر وھو عنکم راض، نسائی جلد ۱ کتاب الزکوٰۃ، باب اذا جاوز فی الصدقۃ، طبع مذکور۔ ونسنک کے متداول انڈکس حدیث میں بھی اس موقع پر صرف نسائی کا حوالہ ہے۔ اس سے صاحب مشکوٰۃ کے مزید سہو کی تقویت ہوتی ہے۔ نسائی کی روایت کو وہ مسلم کی لکھ گئے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ اسے فصل اول میں لائے ہیں جو بخاری ومسلم کے لیے خاص ہے۔ صحاح کی باقی کتابوں کو وہ فصل ثانی وثالث کے تحت لاتے ہیں۔

۵۷ ابوداؤد، حوالۂ سابق ۵۸ ابوداؤد، حوالہ مذکور

۵۹ ابوداؤد جلد ۲ کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ، باب فی السعایۃ علی الصدقۃ، ترمذی جلد ۱ ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی العامل علی الصدقۃ بالحق۔

۶۰ نمونہ کی چند آیات کے لیے: بقرہ: ۴۳، ۸۳، ۱۱۰، نساء: ۷۷، نور: ۵۶ احزاب: ۳۳ مجادلہ: ۱۳، مزمل: ۲۰ ودیگر۔

۶۱ بخاری جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، مسلم جلد ۲ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنہا۔

۶۲ بقرہ: ۲۷۴، رعد: ۲۲، ابراہیم: ۳۱، نحل: ۷۵ اور فاطر: ۲۹۔

۶۳ صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ بالیمین، مسلم جلد ۳ کتاب الزکوٰۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ۔

۶۴ عناق بکری (معز) کا مادہ بچہ جس کا ابھی ایک سال پورا نہ ہوا ہو، النہایۃ فی غریب الحدیث للجزری: ۳/۱۲۴ مطبعۃ عثمانیہ، مصر ۱۳۱۱ھ، محدث احمد علی سہارنپوری نے البتہ اس موقع پر 'عینی' کے حوالہ سے اس کے معنی ایسے ہی بھیڑ (ضأن) کے بچے کے لکھے ہیں۔ عناقا۔ بفتح العین ہی انثی من ولد الضأن مالم یبلغ سنۃ ذکرہ مبالغۃ او علی سبیل الفرض ۱۲ع۔ احمد علی ہامش البخاری: ۱/۱۸۸، اصح المطالع دہلی ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔ لیکن عینی شرح بخاری میں اسے بکری (معز) کا بچہ ہی لکھا ہے۔ 'عناقا بفتح العین والنون الانثی من اولاد المعز'۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری لبدر الدین العینی م ۸۵۵ھ المعروف بالعینی، : ۴/۲۷۶، مصطفیٰ البابی الحلبی

واولادہ، مصر ۱۳۹۲ھ طبعہ اولیٰ عینی میں ایک سال سے کم، مام بیلغ سنۃ کی وہ تفصیل بھی نہیں ہے جو اس کے حوالہ سے مولانا احمد علی سہارنپوری نے نقل کی ہے۔ مزید اس موقع پر عینی کا سارا زور مسلم، ابوداؤد اور بخاری کی دوسری روایت 'عقال' پر ہے جس کے متعلقات لغوی و فقہی پر انھوں نے سیر حاصل کلام کیا ہے۔ مولانا سہارنپوری کے 'عناق' کی تحقیق کے لیے اس کے حوالہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی اور اس کی تفصیل بھی وہ جو عینی سے مختلف ہے واللہ اعلم

۱۵ھ صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، مسلم جلد ۱ کتاب الایمان، باب الامر بالایمان ورسولہ وشرائع الدین والدعا رالیہ، البتہ اس میں بجائے 'عناقا' کے 'عقالا' اونٹ باندھنے کی رسی کے الفاظ ہیں، واللہ لو منعونی عقالا کانوا یودونہ الخ، مسلم، حوالہ سابق۔ 'عقال' ہی کا لفظ ابوداؤد میں بھی ہے۔ ابوداؤد جلد ۱۔ اول کتاب الزکوٰۃ۔

۱۶ھ صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللہ ورسولہ وشرائع الدین والدعاء الیہ، ابوداؤد جلد ۱ کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ السائمۃ۔

۱۷ھ روایت احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الزکوٰۃ، باب افضل الصدقۃ، فصل ثانی۔

۱۸ھ صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ قبل الرد۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الزکوٰۃ، باب الترغیب فی الصدقۃ قبل أن لایوجد من یقبلھا۔

۱۹ھ ابوعبید القاسم بن سلام م ۲۲۴ھ: کتاب الاموال /۵۰۹، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء تحقیق وتعلیق: محمد خلیل ہراس من علماء الازہر الشریف۔

۲۰ھ المغنی لابن قدامہ: ۲/۶۴۳، محولہ بالا۔

۲۱ھ کتاب الاموال /۵۰۴۔ غنیہ میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے غیر معمولی طور پر وسیع ہوجانے سے زکوٰۃ کا انتظام مشکل ہوگیا تو آپ نے اسے بیت المال میں جمع کرنا موقوف کردیا اور حکم دیا کہ لوگ ازخود زکوٰۃ دیدیا کریں۔ حاشیہ نگار کے مطابق اسی وقت سے انفرادی زکوٰۃ کا یہ دستور جاری ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی: غنیۃ الطالبین /۵۷، اعتقاد پبلشنگ کمپنی دہلی۔ جس سے اس کی گنجائش نکلتی ہے کہ کسی زمانہ میں اسلامی حکومت کو مال کی فراوانی سے لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کی حاجت نہ رہے تو سہولت کی خاطر وہ حدود مملکت میں اسکی انفرادی ادائیگی وتقسیم کا اعلان عام بھی کرسکتی ہے۔ صاحب بدائع الصنائع علامہ علاءالدین کاسانی م ۵۸۷ھ نے البتہ اس کی وجہ دوسری بیان کی ہے اور وہ یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

کی روایت سے ہٹ کر عہد عثمانیؓ میں بالخصوص اموال باطنہ تجارت کی زکوٰۃ کو بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے لوگوں کے اپنے اپنے طور پر ادا کردینے کی وجہ اس زمانہ میں مال کی کثرت اور اس کی فراوانی تھی اس کے پیش نظر خلیفہ سومؓ نے حضرات صحابہؓ کے اتفاق سے اس کے معاملہ کو مال کے مالکوں کے حوالہ کردیا کہ وہ امام وقت کے وکیل کے طور پر اس خدمت کو انجام دیتے رہیں۔ اس کے ساتھ علامہ کاسانی نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس معاملے میں جب مالکان مال امام کے نائب اور وکیل ٹھہرے تو اس سے وصولی زکوٰۃ کا امام کا حق ساقط نہیں ہوگا اور یہی حضرات حنفیہ کا مسلک بھی ہے کہ کسی علاقے کے لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دیں اور امام کے علم میں یہ بات آجائے تو اسے ان سے اس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ ہاں اس تہمت کے بغیر وہ اپنے طور پر ان سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصولنی چاہیے تو اس کے بارے میں اسے صاحب اختیار نہیں سمجھا گیا ہے اس لیے کہ اس سے ان حضرات کے بقول اجماع صحابہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کاسانی کے الفاظ ہیں: ...... واما زکاۃ التجارۃ فمطالب بہا ایضا تقدیرا لان حق الاخذ للسلطان وکان یاخذھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابوبکر وعمر رضی اللّٰہ عنہما الی زمن عثمان رضی اللّٰہ عنہ فلما کثرت الاموال فی زمانہ وعلم ان فی تتبعہا زیادۃ ضرر بارباہا، ای المصلحۃ فی ان یفوض الاداء الی اربابہا باجماع الصحابۃ فصار ارباب الاموال کالوکلاء عن الامام ..... فہذا التوکیل لارباب الاموال باخراج الزکاۃ فلا یبطل حق الامام عن الاخذ ولہذا قال اصحابنا ان الامام اذا علم من اھل بلدۃ انہم یترکون اداء الزکاۃ من الاموال الباطنۃ فانہ یطالبہم بہا لکن اذا اراد الامام ان یاخذھا بنفسہ من غیر تہمۃ الترک من اربابہا لیس لہ ذالک لما فیہ من مخالفۃ اجماع الصحابۃ رضی اللّٰہ عنہم۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۲/ ۷، شرکۃ المطبوعات العلمیۃ مصر ۱۳۲۷ھ، الطبعۃ الاولیٰ)

۲۲ کتاب الاموال /۵۰۴ ۲۳ الاموال، حوالہ سابق

۲۴ الاموال صفحات ۵۰۵، ۵۰۶ ۲۵ الاموال /۵۰۶

۲۷ ۲۸ ۲۹ حوالۂ مذکور ص ۵۰۷ ۳۱ حوالۂ سابق صفحہ ۵۰۸، یہ سعید بن جبیر وہی ہیں. جنھیں حجاج نے انچاس سال کی عمر میں انتہائی بے دردی سے قتل کرایا جس کے چند ماہ بعد وہ خود عبرتناک طور پر موت کے منہ میں جانے کے لیے مجبور ہوا۔ اکمال فی اسماء الرجال للتبریزی ملحق بآخر المشکوٰۃ /۵۹۸

کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ۳۱ھ حوالہ مذکور /۵۰۶

۳۲ھ حوالہ سابق /۵۰۸ ۳۳ھ حوالہ مذکور ۳۴ھ حوالہ سابق /۵۰۷

۳۵ھ حوالہ مذکور ۳۶ھ ۳۷ھ حوالہ سابق /۵۰۹

۳۸ھ المغنی لابن قدامہ: ۲/۶۴۱، ۶۴۲ ۳۹ھ مغنی: ۲/ ۶۴۲

۴۰ھ مغنی، حوالہ سابق ۴۱ھ مغنی، حوالہ مذکور ۴۲ھ مغنی: ۲/۶۴۳

۴۳ھ حوالہ سابق ۴۴ھ مغنی: ۲/۶۴۲ ۴۵ھ حوالہ سابق

۴۶ھ فتاوی ابن تیمیہ: ۲۵/۸۵-۸۸، طبع سعودیہ، ترتیب: عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد ۴۷ھ فتوٰی مذکور / ۹۰

۴۸ھ تفصیل کے لیے ہمارے منتظر طبع رسالہ 'مسلمان اقلیتوں کا مطلوبہ کردار' کی بحث 'نصب امامت کا وجوب'، ۴۹ھ مشہور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: الصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان اوفاجرا وان عمل الکبائر۔ ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب الجہاد، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور

۵۰ھ بقرہ: ۲۷۳، آیت کریمہ 'لا یسئلون الناس الحافا'

۵۱ھ آیات محولہ حاشیہ ۱۲، البقرہ: ۲۷۴، رعد: ۲۲ و دیگر

۵۲ھ روایت بخاری ومسلم زیر عنوان حاشیہ ۱۳ 'ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ' الحدیث۔

۵۳ھ موجودہ حالات میں 'فی سبیل اللہ' کے قرآنی مصرف زکوٰۃ کے مواضع ومواقع کی تفصیل کے لیے ہمارا مقالہ 'زکوٰۃ کا مصرف 'فی سبیل اللہ' اور دینی اداروں اور تحریکات کا مسئلہ' مطبوعہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ، شوال ۔ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۳ء۔

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان وعمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان وعمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے۔ ○ ایمان وعمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۳۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲